آصف علی چٹھہ

شعبہ اردو، گورنمنٹ ایم اے او کالج، لاہور

آزادی اور ادیب: بیسویں صدی کی عالمی تحریکات اور انقلابات کے تناظر میں

Asif Ali Chathha

Deapartment of Urdu, Govt. M. A. O. College, Lahore.

Freedom and Writers: In the Context of Global Movements and Revolutions

There is an intimate and deep connection between life and literature .The subject matter of literature is life. Literature provides not only aesthetic pleasure and sublimity but also increases the awareness of the reader to certain aspect of life. In the words of Keats only those can be true poets to whom the miseries of the world are miseries and will not let them rest. In this article an effort has been made in the most simple and lucid manner to explain an active role of men of letters in the national freedom movements and revolutions.

آزادی روشن جذبوں، معطر آرزوؤں اور کیف آگیں خوابوں کی منور تعبیر کا نام ہے۔ یہ وہ رنگین دنیا ہے جس کی پہنائی نیلگوں آسماں کی بے کراں وسعتوں کو بھی شرماتی ہے۔ آزادی قلب انسانی پر ملکہ بن کر راج کرتی ہے جس کے ملکوتی حسن و جمال پر دل و جان فدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر شاعرِ رنگیں نوا اپنی ساحری سے اس کو ایسا جمیل تر بنا دیتے ہیں کہ مخلوق اس کے قدموں پر پروانہ وار نچھاور ہو جاتی ہے۔ اس کے فیض سے خود اعتمادی، عزتِ نفس اور سرفرازی عطا ہوتی ہے اور قومیں سرفروشی کا قرینہ اور عزت سے جینا سیکھتی ہیں۔ شاید زیرِ آسماں اللہ کے سب سے بڑے انعام اور انسان کے سب سے محبوب جذبے کا نام آزادی ہے۔

آزادی نسل انسانی کا مشترک ورثہ اور جذبہ ہے لیکن اس کے حقیقی خدوخال صدیوں کی مسافت کے بعد واضح ہوئے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو پتہ چلتا ہے کہ مختلف ادوار اور معاشروں میں آزادی کے تصورات بھی بدلتے رہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن استحصالی طاقتیں ہمیشہ شرف انسانی کو پامال کرتی رہیں۔ یونانی فلاسفہ بھی اپنی فکری معراج کے باوجود انسانی غلامی کی پاسداری کرتے رہے۔ دنیا کی عظیم بادشاہتیں ذاتی مفاد کی خاطر غلامی کے شکنجوں کو مضبوط تر کرتی رہیں اور انسانیت صدیوں سسکتی اور تڑپتی رہی۔ مختلف اقوام کی جانب انبیائے کرام بھی مبعوث ہوتے رہے جو انسانیت کی نجات کے

لیے وقت کے نمرودوں اور فرعونوں کی جھوٹی خدائی کا قلع قمع کرتے رہے اور استحصالی نظام غرق دریا بھی ہوتے رہے لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ لات و منات کا کاروبار پھر چل نکلتا اور انسان پھر پستیوں میں اتر جاتا۔ یہاں تک کہ پیغمبر انسانیت، مخبر صادق جناب رسالتمآب ﷺ کا ظہور مسعود ہوا جو بلکتی انسانیت کی نجات کے مبشّر بن کر آئے۔ لات و ہبل گر پڑے، آتشکدے بجھ گئے۔ انسانیت کھل اٹھی۔ کائنات میں بہار آ گئی۔ کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا اور ابوبکرؓ، عمرؓ، بلالؓ اور سلمانؓ ایک ہی صف میں خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ حقیقی آزادی سے دنیا جگمگا اٹھی۔

مغربی اقوام کی ترقی اور بیداری جہاں ایک طرف روشن خیالی اور سائنسی معراج کی نوید لے کر آئی وہیں دوسری طرف انسانی غلامی اور جبر و استحصال کی حیاتِ نو کا پیغام بھی ثابت ہوئی۔ مغرب جونہی تاریک دور سے نکلا، پہلی دنیا کو تیسری دنیا میں تبدیل کر کے اسے تاریک دور میں دھکیل دیا۔

برطانیہ، پرتگال، فرانس اور سپین وغیرہ نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے بیشتر ممالک کو اپنے نو آبادیاتی نظام کے چنگل میں گرفتار کر لیا۔ اس دور میں غلامی اپنی بدترین شکلوں کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ انسانی خرید و فروخت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ امریکہ سمیت متعدد ممالک نے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو کر، ہاتھ آلودہ کیے۔ محکوم اقوام کی دولت جی بھر کر لوٹی گئی۔ سونے کی چڑیا کے پر نوچ ڈالے گئے۔ آزادی کے سورج گہنا گئے اور براعظم تاریک ہو گئے۔ ایشیا اور افریقہ میں جمہوریت کی ''روشنی'' پھیلانے کے دعویدار لاطینی امریکہ میں آمریت اور مطلق العنانی کی پشت پناہی کر کے اندھیروں کے سوداگر بنے رہے۔ حتیٰ کہ اکیسویں صدی کے گلوبل ویلیج میں بھی فلسطین، کشمیر، عراق اور افغانستان کے عوام آزادی کو ترس رہے ہیں اور ''گاؤں'' پر جاگیرداروں کا راج ہے۔

جبر اور ناامیدی کے اس طویل دور میں، جس نے دلوں میں آس اور جدوجہد کے دیپ جلائے رکھے، اسے معاشرہ ادیب اور شاعر کے نام سے پکارتا ہے۔ شاعر یا ادیب پر حقائق سے گریز کا الزام بھی لگایا گیا لیکن وقت نے ثابت کیا کہ وہ نہ صرف لمحۂ موجود سے باخبر ہوتا ہے بلکہ اسے پردۂ افلاک میں مستور حقائق اور حوادث کا ادراک بھی بخوبی ہوتا ہے۔ جب سامراجیت نے اپنے پنجے گاڑے تو محکوم اقوام کے شعرا نے صحیح معنوں میں دیدۂ بینائے قوم ہونے کا ثبوت دیا۔ شعرا نے حال کے جبر کا مقابلہ کرنے کا درس بھی دیا، قوم کے ماضی کے دلفریب کارناموں کو بھی اجاگر کیا اور ایک تابناک مستقبل کی نوید بھی سنائی۔ دراصل شاعر یا ادیب کا فریضہ ہی روشنی پھیلانا ہے۔ اسی لیے ورڈز ورتھ (Words worth) نے شعرا سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

"If thou indeed derive thy flight from heaven shine poet, in thy place,

and be content." ۱

بہت سے شعراء نے آزادی کی تحریکوں میں عملی جدوجہد کی اور متعدد نے اس مقدس رستے پر اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ ہنگری کے شاعر سانڈور پتوفی (۱۸۲۳ء۔۱۸۴۹ء) نے ہنگری کی قومی جنگ آزادی میں بھرپور شرکت کی۔ اس نے اپنی نظموں کے ذریعے بھی لڑائی کی اور اپنی جان بھی قربان کر دی۔ ۳۱ جولائی ۱۸۴۹ء کو جب روس نے آسٹریا کی مدد کے لیے اپنی فوجیں ٹرانسلوینیا کی طرف روانہ کیں تو ہنگری کی جو فوج اس کو روکنے کے لیے آگے بڑھی اس میں سانڈور پتوفی بھی شامل

تھا۔ اسی معرکے میں پتوفی بھی کام آ گیا۔ مارٹن لوتھر کنگ (۱۹۲۹ء۔ ۱۹۶۸ء) بھی سیاہ فاموں کے لیے جدوجہد کرتا رہا اور بالآخر سفید فاموں کے ہاتھوں ۱۹۶۸ء میں قتل ہوگیا۔ کیوبا نے سپین کے خلاف دوسری جنگ آزادی بھی ایک شاعر جوزف مارٹی کی قیادت میں لڑی اور ۱۸۹۸ء میں سپین سے آزادی حاصل ہوگئی۔ اور پھر جب ۱۹۵۹ء میں فیدل کاسترو نے کٹھ پتلی حکمرانوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑی تو چی گویرا نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ چی گویرا نے کیوبا کے بعد بولیویا کی محکوم عوام کی مدد کرتے ہوئے اپنی جان قربان کردی۔ سپین کی جمہوریت اور آزادی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں میں سپین کا معروف شاعر گارشیا لورکا اور ہرنانڈز اور برطانیہ کا نوجوان شاعر ڈیوڈ گیٹ بھی شامل ہیں۔ لاطینی امریکہ کے کئی شعرا جمہوریت اور آزادی کی جدوجہد میں جلاوطنی اور قید و بند کا شکار ہوئے۔ جنوبی افریقہ کا معروف شاعر بنجمن مولائس بھی حریت پسندی کی خاطر تختہ دار پر جھول گیا۔ ایران کے فرخی یزدی کے ہونٹ سیے گئے تو محمد رضا عشقی کو آمریت کی مخالفت کی پاداش میں دن دیہاڑے قتل کردیا گیا۔ ترکی کے معروف شاعر صباح الدین علی کو فاشی حکمرانوں نے وہاں کے غنڈوں کے ہاتھ قتل کرا دیا تھا کیونکہ وہ ان کے نظام سیاست و معیشت کی ستم رانیوں کو بے نقاب کر رہا تھا۔ ترکی کے ناظم حکمت کو ازمیر میں زیرِ زمین پریس چلانے کے جرم میں پندرہ برس کی قید سنائی گئی۔ پھر بعدازاں کیڈٹوں کو آمادۂ بغاوت کرنے کے جرم میں ۳۵ سال قید کی سزا سنائی گئی۔ جو بعد میں ۲۸ سال کردی گئی۔ عالمی سطح پر حکمت رہائی کمیٹی کے دباؤ کے تحت سرکاری طور پر عام معافی کے اعلان کے بعد ناظم حکمت کو رہائی ملی۔ حکمت رہائی کمیٹی میں پابلو نیرودا، سارتر، آراگوں، ایلوارڈ، پکاسو اور روبنسن جیسے نامور لوگ شامل تھے۔ اسی طرح ترکی کے مشہور ڈراما نگار اور شاعر نجیب فاضل بھی کئی دفعہ پس دیوارِ زنداں گئے۔

گارشیا لورکا ۱۹۲۹ء میں امریکہ گیا اور وہاں اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ میں ہسپانوی ہوں۔ میں اپنے فن میں اسپین کی عکاسی کرتا ہوں اور اس کا شعور میری ہڈیوں میں ہے۔ لیکن اس سے بھی پہلے میں دنیا کا باشندہ ہوں۔ یہ سارا جہاں میرا ہے۔ میں سب انسانوں کے لیے برادرانہ جذبات رکھتا ہوں۔ میں سیاسی سرحدوں کو نہیں مانتا۔ ۲ لورکا کے یہ جذبات تمام ادیبوں اور شاعروں کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ شعرا نے جغرافیائی سرحدوں سے بالاتر ہوکر دنیا بھر کی مظلوم اقوام کا ساتھ دیا ہے۔ اپنے اس فرض کی ادائیگی کے لیے بعض اوقات وہ اپنے ملک کے سامنے بھی سینہ سپر ہوگئے۔ مثال کے طور پر جب فرانس نے الجزائر کے باشندوں پر ظلم و ستم کی انتہا کردی اور اپنا غاصبانہ تسلط قائم رکھنے کے لیے تمام سامراجی ہتھکنڈے آزمائے تو سارترے نے الجزائر کے لوگوں کے حق میں اپنی حکومت کے خلاف آواز بلند کی۔ حتیٰ کہ فرانس کے صدر چارلس ڈیگال کو مشیروں نے یہ مشورہ دیا کہ سارترے کو اس کی سزا دی جائے اور اس کو قید کردیا جائے لیکن یہ الگ بات ہے چارلس ڈیگال نے سارترے کے ادبی قد و قامت کے پیشِ نظر یہ کہہ کر انکار کردیا کہ سارترے کو کیسے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ سارترے تو فرانس ہے۔

جرمن نوبیل انعام یافتہ ناول نگار تھامس مان نے انسانی حقوق اور جمہوریت کی خاطر جرمنی کے نازی ازم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ گو اسے جلاوطنی اختیار کرنا پڑی اور اس کی کتابیں نذرِ آتش کردی گئیں لیکن اس نے انسانی اقدار کی پاسداری کی۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ الجزائر کے مسئلہ میں فرانس کے ۱۲۱ بے دار ضمیر دانش وروں نے کھلے بندوں الجزائر کی حمایت میں اپنے قلم کا سہارا لیا۔ انھوں نے فرانس میں یہ تحریک چلائی کہ فرانسیسی نوجوان فوجی خدمات سرانجام نہ دیں۔ یوں انھوں نے الجزائر

میں فرانسیسیوں کے ظلم اور تشدد کے خلاف آواز بلند کی۔ ۳؎

برطانیہ کے نوبیل انعام یافتہ ادیب اور فلسفی برٹرینڈ رسل (پ ۱۸۷۲ء) نے ویت نام کے جنگی جرائم اور امریکی سامراج کے خلاف مؤثر آواز اٹھائی اور برطانوی پالیسی کی مخالفت کی۔ سپین کی جنگ جمہوریت کے بین الاقوامی بریگیڈ میں دنیا بھر کے ادیبوں اور شاعروں نے شمولیت اختیار کی اور آمریت کے خلاف عملی جدوجہد میں حصہ لیا۔ ہندوستان کے ادیبوں اور شاعروں نے تحریک خلافت اور مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں برطانوی پالیسیوں کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی اور قید و بند سے بھی دوچار ہوئے۔

شہزاد منظر کے بقول عالمی ادب کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جب بھی انسان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے، دنیا کے انسان دوست اور روشن ضمیر ادیبوں اور دانش وروں نے اس کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ خواہ وہ ہائنے ہو یا ارنسٹ ٹومکر، روماں رولا ہو یا اسٹیفن روئیگ، آندرے مالرو ہو یا گارشیا لورکا، سارتر ہو یا کامیو، ہر دور اور ہر ملک کی تاریخ ادب میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں اور ہر ادیب نے اپنے اپنے عہد میں کسی نہ کسی طرح کی سماجی وابستگی ضرور رکھی ہے۔ ۴؎ گویا سقراط کے پیروکاروں نے ہمیشہ حق گوئی کے راستے کا انتخاب کیا اور جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا جہاد ادیبوں اور شاعروں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ ادیب کو اپنے زمانے کا ضمیر اور اپنے معاشرے کی آواز کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے عہد کا سب سے حساس اور ذہین محتسب ہوتا ہے۔ اس کی نظر سے کوئی ایسا منظر نہیں چوکتا جہاں انسانیت سرنگوں اور انسانی وقار اور آزادی معتوب ہو۔ خواہ وہ کسی بھی سماج کا شہری اور کسی بھی نظریہ کا حامی ہو۔ اس سلسلے میں دوسری بات یہ بھی قابل التفات ہے کہ آمریت خواہ پرولتاری ہو یا اسلامی ہو یا عسکری اگر اس میں ظلم و استبداد کی طاقتیں فعال ہوتی ہیں تو دار و گیر کے شکنجے کے باوجود ان کے خلاف اہل قلم ہی آواز اٹھاتے ہیں۔ ۵؎ گویا جس معاشرے کا ادیب زندہ ہے اس کا ضمیر زندہ ہے۔ وہ جلد یا بدیر ضرور کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے۔

قوموں کے دورِ غلامی میں شعرا نے اپنی جادو بیانی سے جذبۂ آزادی کو زندہ و توانا رکھا۔ نتیجتاً لوگ اپنے مقصد کے ساتھ استقامت سے جڑے رہے۔ وہ دار و رسن کی آزمائش سے بھی گزرے لیکن اپنی آزادی سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔ انیسویں صدی کے ترکی کا نامور شاعر نامق کمال آزادی سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پھانسی کی رسی جو موت کا اژدہا ہے، اس زندگی سے بدرجہا بہتر ہے جس میں انسان کو غلامی کا طوق گلے میں ڈالنا پڑے۔ آزادی کا میدان خواہ جہنم کا طبقہ کیوں نہ ہو، انسان اسے چھوڑنا گوارا نہ کرے گا۔ جنگ کے میدان سے ہٹ جاؤں تو مجھ سے بڑھ کر بزدل دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ آہ! اے آزادی! تجھ میں کیا جادو ہے کہ ہم نے سب زنجیروں کو توڑ پھینکا مگر تیری غلامی کا طوق خوشی سے گلے میں ڈال لیا۔ ۶؎ یہ سچ ہے کہ شعرا نے آزادی کو حرزِ جاں بنائے رکھا اور یہ ثابت کیا کہ وہ صرف گفتار کے نہیں کردار کے بھی غازی ہیں۔

ادب سیاست کا امام ہے۔ دنیا کے بہت سے انقلابات ادب کے اشاروں پر برپا ہوئے ہیں۔ جرمن، فرانس، ترکی، مصر، امریکہ اور روس کے جو انقلابات رونما ہوئے ہیں ان میں زبان و ادب کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ خود موجودہ زمانے میں پاکستان کے قیام اور بنگلہ دیش اور ایران کی حکومتیں بدلنے میں ادب نے راہنما کا کردار ادا کیا ہے۔ ادب کے اشارے پر حکومت کی بساطیں الٹ دی گئی ہیں۔ اس ضمن میں بالخصوص شاعروں کو فوقیت حاصل رہی ہے جنہوں نے پُرجوش ہنگامی نظمیں

لکھ کر اپنے زمانے کا نقشہ بدل دیا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کی لڑائی بھی ادب کے سہارے لڑی گئی۔ ملکی حریت کی یہ لڑائی لڑنے والوں میں ادیبوں، دانش وروں، فلسفیوں، صحافیوں اور وکیلوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ۷؎

اگر ہم انقلابِ فرانس کا مطالعہ کریں تو ژاں پال سارتر کے اس قول کی واضح تصدیق ہو جاتی ہے کہ ادیب کا قلم اس کا ہتھیار ہے بلکہ فرانسیسی ادیبوں نے تو دوسرے ہتھیاروں کے استعمال سے بھی گریز نہیں کیا کہ وہ بحیثیت ادیب عملی جدوجہد کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو آزاد خیال نہیں کرتے تھے اور آزادی کا حصول ان کا حق تھا، جس کے لیے انہیں ہر محاذ پر لڑنا تھا۔ ۸؎ اور وہ لڑے۔ لامارتین جہاں ایک انقلابی شاعر تھا، وہیں ایک متحرک سیاستدان بھی۔ اس نے جہاں شاعرانہ جدوجہد کی وہیں لوئی فیلپ کی اٹھارہ سالہ آمریت کے خلاف سیاسی جدوجہد میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ راں بو نے فرانسیسیوں کے لیے ایک آزاد اور غیرت مند قوم بننے کے خواب دیکھے تو والٹیر اور روسو نے فرد کی آزادی کی اہمیت اجاگر کی۔ شاید اسی لیے جب لوگ شہنشاہ لوئی کو محل سے کھینچ کر گلیوٹین کے نیچے ذبح کرنے کے لیے لائے تو اس نے برملا کہا تھا کہ انقلاب فرانس کیا ہے...... کچھ بھی نہیں...... سوائے والٹیر اور روسو کے۔ فرانسیسی نوبیل انعام یافتہ ادیب آلبیر کامیو (۱۹۱۳ء۔۱۹۶۰) نے بھی فرانس پر ہٹلر کے قبضے کے زمانے میں مزاحمتی ادب تخلیق کیا اور کمباٹ جریدے کا مدیر بھی رہا۔ فرانسیسی حکومت نے ۱۹۴۶ء میں کامیو کو میڈل آف دی لبریشن سے نوازا۔ سارتر (۱۹۰۵ء۔۱۹۸۰ء) نے بھی بیسویں صدی میں پس ماندہ اقوام خصوصاً الجزائر اور ویت نام کی آزادی کے لیے قابلِ ذکر جدوجہد کی۔

انقلابِ روس (۱۹۱۷ء) کسانوں، مزدوروں اور سیاسی قائدین کے ساتھ ساتھ روس کے ادیبوں اور شاعروں کی جدوجہد کا بھی مرہونِ منت ہے۔ انقلابِ روس سے پہلے کا منظر نامہ دیکھیں تو حریت پسندی کی روایت نظر آتی ہے۔ پشکن (پ ۱۷۹۹ء) کو زمانہ طالب علمی ہی میں صوبہ بدری کی سزا بھگتنا پڑی کیونکہ اس نے ابتدائی عمر ہی میں چند نظمیں لکھ ڈالیں جو جذبہ آزادی کو مہمیز لگاتی تھیں۔ پشکن کے بعد میخائل لیرمنتوف (۱۸۴۱ء۔۱۸۱۱ء) اور بعد ازاں کوندراتی فیوڈور ووچ ریل یے یف (۱۸۲۶ء۔۱۷۹۵ء) نے آزادی پسندی اور حب الوطنی کی روایت کو تر و تازہ رکھا۔

۱۹۱۷ء کے بالشویک انقلاب میں الیگزنڈر بلاک (۱۹۲۱ء۔۱۸۸۰ء) کی آواز ایک نقیب کی مانند ہے۔ اس نے ۱۹۰۵ء کے انقلاب میں بھی حصہ لیا اور اس کی نظمیں ۱۹۱۷ء کے انقلاب کی پیش گوئی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی نظم ''بارہ سوار'' انقلابی دور کی یادگار ہے۔ جو دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ مایا کوفسکی بھی انقلابِ روس کے ہراول دستے میں شامل ہے۔ اس کے ہاں انقلاب اور زندگی ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ کوفسکی کے علاوہ یزنین، بورس پیسٹرناک، ڈیمیان بیڈنی، این۔ اے۔ ایسیوف اور سرگئی یسنین وغیرہ کے ہاں انقلابِ روس کی پرزور حمایت دکھائی دیتی ہے۔ انقلابِ روس نے اردو ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے اور اقبال، حسرت، ساحر لدھیانوی، علی سردار جعفری، حبیب جالب، فیض اور ظہیر کاشمیری وغیرہ کے ہاں اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ادیبوں اور شاعروں نے انسان کو استحصال سے نجات دلانے اور ایک فلاحی نظام قائم کرنے کے لیے انقلابِ روس کی حمایت کی لیکن جب سوویت یونین کے سربراہوں نے انسانوں کو فکر و خیال اور اظہار و عمل کی آزادی سے کلیتاً محروم کر دیا تو اس کے خلاف ادیبوں نے ہی آواز بلند کی۔ بورس پاسٹرناک کی مانند متعدد ادیبوں

نے کمیونزم کے نظریے پر ایمان رکھنے کے باوجود حکومت کے ظلم اور زباں بندی کے خلاف لکھا۔ ان میں انا اخموتووا، یوتوشنکو، وازنیسنکی اور وسطی ایشیا کے سرکش ادیبوں میں عبداللہ عاریپوف اور ارکن واحدوف کے نام شامل ہیں۔ سوویت یونین کے زوال کا ایک اہم سبب ظلم اور زباں بندی بھی تھا جب کہ کیوبا اور چیکوسلواکیہ جیسے اشتراکی ملکوں میں نہ تو دارو گیر کا یہ سلسلہ تھا اور نہ ہی اہلِ قلم کی زبان اور قلم پر ایسا کڑا پہرہ۔ ۹

انقلابِ ایران بیسویں صدی کی اسلامی دنیا میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ انقلابِ ایران سے قبل اہلِ ایران نے اپنے جمہوری اور آئینی حقوق کے لیے مشروطیت کی بھی بھرپور تحریک چلائی۔ یوں انیسویں صدی کے آخر سے لے کر بیسویں صدی کی آخری عشروں تک ایران میں مبارزت اور کشمکش کی فضا مسلسل قائم رہی۔ اس ایک صدی کی جدوجہد کے دوران میں ایران کے ادیبوں اور شاعروں نے جدوجہد اور استقامت کا مثالی مظاہرہ کیا۔ ملک الشعرا بہار قاچاری دور میں قید و بند کی صعوبتوں کا شکار ہوئے۔ پہلوی دور میں بھی تقریباً ایک سال قید رہے اور تہران سے اصفہان شہر بدر ہوئے۔ عارف قزوینی نے ملوکیت کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی چنانچہ محمد رضا شاہ کے برسرِاقتدار آنے کے بعد اس کو شہر بدر کر دیا گیا اور ہمدان سے باہر نکلنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ فرخی یزدی نے اپنی حق گوئی کی بڑی قیمت ادا کی۔ عیدِ نوروز کے موقعہ پر جب عام شعرا بادشاہ کی قصیدہ گوئی کر رہے تھے یزدی نے حاکم یزد ضیغم الدین قشقائی کی آمریت پر تنقید کی اور اسے مشروطیت اور قانونی حکومت قائم کرنے کی ترغیب دی۔ ضیغم نے سیخ پا ہو کر سرکاری سوئی دھاگے سے یزدی کے ہونٹ سلوا دیے۔ محمد رضا عشقی بھی اسی رستے کا مسافر تھا۔ اس نے رضا شاہ کبیر کی آمرانہ حکومت کے خلاف بے باکی سے کڑی تنقید کی اور بادشاہ کے اشارے پر اسے دن دیہاڑے قتل کر دیا گیا۔ عشقی قید و بند، مہاجرت اور غریب الوطنی کی منازل طے کرتا ہوا موت سے ہم آغوش ہو گیا لیکن ایران کے اس ''باغی شاعر'' نے آمریت اور ظلم واستحصال کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ رضا براہینی کو بھی شاہِ ایران کی پولیس نے متعدد مرتبہ اذیتیں پہنچائیں۔

ڈاکٹر مبارک علی کے بقول بیسویں صدی کے ایران میں مزاحمتی ادب پیدا کرنے والے قلم کاروں نے بڑی بڑی قربانیاں دیں، محمد علی نے ملک المتکلمین اور صورِ اسرافیل کو شاہی باغ میں پھانسی دی اور جب وہ پھانسی پر لٹکے ہوئے دم توڑ رہے تھے۔ اس وقت وہ بالکونی میں بیٹھا اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور اطمینان سے کھانے میں مصروف تھا۔ رضا شاہ اور محمد رضا شاہ کے دور میں ادیبوں اور شاعروں کے خلاف سزاؤں کا طویل سلسلہ جاری رہا، محمد سعون کریم پور شیرازی، مرتضیٰ کیوان، صمد بہرنگی، جلال الاحمد اور ضرو گل سرخی ان میں سے تھے جنہیں خاموشی سے قتل کر دیا گیا۔ ۱۰

فروغ فرخ زاد، احمد شاملو اور پروین اعتصامی سمیت متعدد دیگر شعرا نے بھی شاہ ایران کی آمریت اور ستم رانیوں پر کڑی تنقید کی۔ انہی حریت پسندوں کی جرأت مندی اور تحریک وترغیب سے انقلاب ایران کا راستہ ہموار ہوا اور شہنشائیت کے لیے فرار کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ انقلاب ایران نے پاکستانی معاشرے پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے۔ فیض نے اپنی نظم ''ایرانی طلبہ کے نام'' میں امن اور آزادی کی جدوجہد میں کام آنے والے طلبہ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اقبال تو تہران کو عالمِ مشرق کا جنیوا دیکھنے کے متمنی تھے۔ انقلابِ ایران میں کلامِ اقبال کی فکری راہنمائی کا اہلِ ایران برملا اعتراف کرتے ہیں۔ پاکستانی شعرا میں پروفیسر مشکور حسین یاد، اثر ترابی، حسنین کاظمی، مقصود جعفری اور فاتح واسطی وغیرہ

کے ہاں انقلابِ ایران کے واضح اثرات نظر آتے ہیں۔

انقلابِ چین کے موقعہ پر چین کے شاعر راہنما ماوزے تنگ نے یکم اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ایک ہی تاریخی جملہ کہا تھا کہ ’’چینی عوام اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔‘‘ ماوزے نے اس ایک جملے میں پوری جدوجہد کو سمیٹ لیا تھا لیکن اس مختصر سے جملے کے پیچھے بیداری اور سعی و عمل کی ایک پوری داستان تھی۔ چینی عوام کو اٹھانے میں جہاں مزدور، کسان فلاسفر، سائنس دان اور سیاسی راہنما کام کر رہے تھے، وہیں ادیب اور دانشور بھی مصروفِ عمل تھے۔ خود شاعر مشرق نے گراں خواب چینیوں کے سنبھلنے کا اشارہ اپنے کلام میں دے دیا تھا۔ لوشون (۱۸۸۱ء۔۱۹۳۴ء) بھی چین کے ان دانش ور شعرا میں شامل تھے، جن کے انقلابی افکار و نظریات نے انقلاب چین میں نمایاں کردار ادا کیا اور جنہیں ماوزے تنگ نے بھی خراجِ تحسین پیش کیا۔ کومورو بھی (۱۹۷۸ء۔۱۸۹۲ء) ایک عظیم انقلابی شاعر تھا جس نے ۱۹۲۶ء کی شمالی مہماتی جنگ اور ۱۹۲۷ء میں نان چانگ بغاوت میں بنفسِ نفیس حصہ لیا۔ جاپان کے خلاف جنگ مزاحمت کے دوران میں بھی وہ چیانگ کائی شیک کے مقبوضہ علاقوں میں رہ کر ترقی پسند ادیبوں کو قومی آزادی کے لیے منظّم کرتا رہا۔ ائے چھینگ (پ ۱۹۱۰ء)، ماؤ دُون (۱۸۹۶ء۔۱۹۸۱ء) لاؤ شے (۱۸۹۹ء۔۱۹۴۴ء) چھاؤ شولی (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۰ء)، چھانگ ستیان ای (پ ۱۹۰۶ء) اور چولی بو (۱۹۰۸ء۔۱۹۷۹ء) سمیت بیسویں ادیبوں نے انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ متعدد گفتار ہوئے، پس دیوارِ زنداں گئے لیکن ادب کو قوم کی انقلابی جنگ کا علمبردار بنائے رکھا۔ اردو میں علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، ابنِ انشاء اور عبدالعزیز خالد وغیرہ نے انقلاب چین کو تیسری دنیا کی امید قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک چین ایک حوصلے، امنگ اور عزم کا نام ہے۔ ماوزے تنگ کی نظمیں بھی اردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ یوان وئے شوئے، ابنِ انشاء، یحییٰ امجد اور کشور ناہید وغیرہ نے ترجموں کے توسط سے اردو دنیا کو متعدد چینی شعرا سے متعارف کرایا ہے۔

مسلمانوں کا قبلۂ اول ہونے اور جناب رسالتمآب ﷺ کے سفرِ معراج کی پہلی سیڑھی ہونے کے باعث فلسطین دنیائے اسلام کی محبتوں کا مرکز ہے۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں جب بالفور ڈیکلریشن کے نتیجے میں برطانوی جنرل ایلن بی فاتحانہ طور پر بیت المقدس میں داخل ہوا تو اس نے کہا تھا کہ میں آخری صلیبی ہوں اور آج صلیبی جنگیں ختم ہو گئی ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ جنگ آج بھی جاری ہے نہ صرف فلسطین میں بلکہ ادبی محاذوں پر بھی اور قلم کے محاذ پر بھی فلسطینی شعرا نے جدوجہد کی عظیم داستانیں رقم کی ہیں۔ محمد کاظم نے بالکل بجا کہا تھا کہ یہ فلسطینی شعرا کا تپتا ہوا جذبہ ہی تو تھا جس نے ان کے ہم وطنوں کی اس طویل جدوجہد کو حرارت اور توانائی بخشی تھی اور اسے ٹھنڈا نہیں ہونے دیا تھا۔ اسرائیل کے خلاف جو محاذ لوگوں کے دلوں میں اور ذہنوں میں کھلا ہوا تھا اس کی ساری شورش اور سرگرمی انہی کے شعروں کے طفیل ہی تو تھی۔ [۱۱]

فلسطینی شعراء نے ۱۹۱۷ء ہی میں مسئلے کی نزاکت کو سنجیدگی سے محسوس کر لیا لہٰذا ابراہیم طوقان، رشید سلیم الخوری، عبدالحسن کاظمی، محمد علی الحومانی، امین ناصر الدین اور عبدالرحیم محمود وغیرہ نے اعلان بالفور اور اس کی سازشوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

بعدازاں مسئلہ فلسطین جن شعرا کے ہاں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا، ان میں فدویٰ طوقان، توفیق زیاد، سمیع القاسم، محمود درویش، سلمٰی الخضر االجیوسی، جبرا ابراہیم جبرا، کمال ناصر، توفیق صائغ، ہارون ہاشم رشید اور لیلیٰ خالد وغیرہ خاص طور

پر قابلِ ذکر ہیں۔ شام سے نزار قبانی، عراق کی نازک الملائکہ، عراق کے عبدالوہاب البیاتی اور بلند الحید ری سمیت عرب دنیا کے بیسیوں شعرا نے اپنے قلمی جہاد سے مسئلہ فلسطین کو روشن اور درخشاں بنا دیا ہے۔

محمود درویش، توفیق زیاد، سمیع القاسم، کمال ناصر، ہارون ہاشم رشید، لیلیٰ خالد، نزار قبانی اور عبدالوہاب البیاتی وغیرہ ان شعرا میں شامل ہیں جنھوں نے تحریک مزاحمت کے دوران میں عملی جدوجہد کی اور مہاجرت اور قید و بند کی صعوبتوں کو بھی برداشت کیا۔ اردو کے بیسیوں شعرا نے آشوب فلسطین کے تذکرے سے فلسطینیوں سے اپنی محبت اور یگانگت کا ثبوت دیا ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کو اولیت کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ فلسطین کی حمایت میں منعقد ہونے والے احتجاجی جلسوں میں بھی شریک ہوتے رہے اور اپنی نثر اور شاعری میں بھی مسئلہ فلسطین کی سنگینی کو نمایاں کرتے رہے۔ فیض احمد فیض نے لوٹس کی ادارت کے دوران مسئلہ فلسطین کا بغور مطالعہ کیا۔ وہ یاسر عرفات کے ساتھ مجاہدین کے ٹھکانوں کے دورے بھی کرتے رہے۔ محاصرہ بیروت کے دوران بھی وہ بیروت ہی میں تھے۔ چنانچہ اس گہرے تعلق کے باعث مسئلہ فلسطین ان کی متعدد نظموں میں ایک جذباتی تعلق کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ علاوہ ازیں ظفر علی خاں، احمد ندیم قاسمی، یوسف ظفر، ظہیر کاشمیری، حبیب جالب، ابن انشا، رئیس امروہوی، شورش کاشمیری، سید ضمیر جعفری، عبدالعزیز خالد، احمد فراز، خاطر غزنوی، شہزاد احمد، ادا جعفری، فہمیدہ ریاض سمیت متعدد شعرا نے فلسطینیوں کی حق تلفی، مہاجرت، اسرائیلی مظالم، انسانی حقوق کی پامالی، عالمی طاقتوں کی بے حسی، مسلمانوں کی نا اتفاقی، مجاہدین کے جذبۂ حریت اور فلسطینیوں کی بے مثال جدوجہد وغیرہ کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ مسئلہ فلسطین کو اردو میں متعارف کرانے میں تراجم کا کردار بھی قابل ذکر ہے۔ اردو میں محمد کاظم، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر شاہین مفتی، اسما رشید، منو بھائی، کشور ناہید، ضمیر احمد، شاہد ماہلی، عبدالحق حقانی قاسمی، انعام ندیم، زاہد حسن، آصف فرخی، انور زاہدی، رادھار من اگروال، منیر الدین احمد، خالد سہیل، تنویر انجم وغیرہ نے تراجم کے ذریعے مسئلے فلسطین کو اردو قارئین تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

دنیا کے مختلف خطوں میں برپا ہونے والی آزادی کی تحریکیں اردو شاعری کے لیے باعثِ کشش رہی ہیں لیکن مذہبی وملی وابستگی کے باعث تحریک آزادی کشمیر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کشمیر اور اہلِ کشمیر پاکستان کے مسلمانوں کے لیے ایک جذباتی موضوع ہے کیونکہ اس خطے کی آزادی کے لیے اہلِ پاکستان سیاسی طور پر عملی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے ہاں بالکل ابتدائی کلام سے لے کر آخر تک خطہ کشمیر سے گہری دلچسپی اور محبت موجزن ہے۔ وہ پیامِ مشرق ہو، جاوید نامہ ہو یا 'ارمغانِ حجاز' ''کشمیر' ہر جگہ موجود ہے۔ 'اقبال نے آتشِ چنار کو تپش آشنا کرنے کے لیے کشمیر کے لیے عملی جدوجہد میں بھی حصہ لیا۔ کلامِ اقبال اہلِ کشمیر لیے صورِ اسرافیل کا درجہ رکھتا ہے۔ ظفر علی خاں سراپا حریت تھے۔' انھوں نے ''زمیندار'' کے ذریعے تحریک کشمیر کو زندہ و توانا رکھا۔ زمیندار کے شہید نمبر، اسلام نمبر، کشمیر نمبر ضبط ہوتے رہے لیکن ظفر علی خاں کی شاعری ایک سیلِ رواں تھا جو ضبطی کے تنکوں سے کب رکنے والا تھا۔ حفیظ جالندھری نے بھی اپنی شاعری میں کشمیر کے ہر پہلو کی تصویر کشی کی ہے۔ وہ تو خود محاربۂ آزادیٔ کشمیر پر موجود رہے لہٰذا مشاہدے نے کلام میں ایک منفرد ولولہ اور جذبہ سمو دیا ہے۔ علاوہ ازیں جوش ملیح آبادی، یوسف ظفر، شورش کاشمیری، احمد ندیم قاسمی، جعفر طاہر، احمد فراز، عبدالعزیز خالد، حبیب جالب، نعیم صدیقی، طفیل ہوشیار پوری، امجد اسلام امجد اور افتخار عارف سمیت سینکڑوں شعرا کی تخلیقات مسئلہ کشمیر کو موضوعِ سخن بناتی ہیں۔ بعض شعرا

کے مکمل مجموعہ ہائے کلام ہی کشمیر کے موضوع کا احاطہ کرتے ہیں۔ کشمیر کے مزاحمتی ادب پر متعدد انتخابات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ کشمیری شعرا میں محمد دین فوق، ملا طاہر غنی، حبہ خاتون، عبدالاحد آزاد، غلام احمد مہجور وغیرہ کے ہاں مزاحمتی شاعری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ کشمیر کی مقامی زبانوں مثلاً کشمیری، گوجری، پہاڑی اور ڈوگری وغیرہ میں بھی تحریک آزادی کی گونج سنائی دیتی ہے۔ غلام نبی خیال، صابر آفاقی احمد شمیم، اثر صہبائی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مہجور اور احمد شمیم وغیرہ نے قلم کے جہاد کے ساتھ ساتھ عملی جہاد بھی کیا اور بھارتی فوج کے ظلم وستم اور قید وبند سے بھی دوچار ہوئے۔

انیسویں صدی کے اختتام تک تقریباً پورا براعظم افریقہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا لیکن بیسویں صدی کے آخر میں سارا افریقہ آزادی سے فروزاں ہو چکا تھا۔ مغرب کے سامراجی ممالک مثلاً برطانیہ، فرانس، اٹلی وغیرہ نے افریقہ میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھا۔ افریقہ سے خام مال کے علاوہ افرادی قوت بھی مغرب میں منتقل کی گئی۔ افریقیوں سے بدترین سلوک روا رکھا گیا لیکن افریقہ پھر بھی زندہ رہا۔ افریقیوں کو حیاتِ نو بخشنے میں نیگرو شاعری نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ افریقیوں نے دورِ غلامی میں بھی شاعری اور رقص کے ذریعے اپنی ثقافت کو محفوظ رکھا۔

رضی عابدی نے استعماری نظام کی شکست وریخت میں افریقی شاعری کے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نو آبادی نظام کے خلاف عظیم جدوجہد میں جہاں خون کی ندیاں بہی ہیں وہیں افریقہ کی شاعری ایک نئی توانائی اور ایک زندہ جذبے کی علامت بن کر ابھری ہے۔ جو ''شعور کی نو آبادیوں'' کو مسمار کرنے میں ہتھیار کا کام دیتی ہے اور ظلم کے خلاف سیاسی و عسکری مدافعت کو ایک گہری معنویت دیتی ہے۔[۱۲] دراصل افریقی شاعری نے سیاہ فامی کو ایک اعزاز اور افتخار میں تبدیل کر دیا۔ یہی ان کے تشخص کا باعث بن گیا۔ افریقی تہذیب کی توانائی اور رعنائی کھل کر سامنے آئی۔ افریقیوں کو استقامت اور حوصلہ مندی کا ہنر آ گیا۔ نیگرو شاعری کے احتجاج سے تیسری دنیا کے باشندوں کو زبان میسر آ گئی۔ افریقیوں کا عالمگیر جذبہ محبت نکھر کر سامنے آ گیا۔ افریقی شاعری نے انقلابی جدوجہد کے دوران میں پیش آنے والے مصائب و آلام کو برداشت کرنے کا رویہ عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ افریقہ کے راہنماؤں نے سالہا سال قید وبند اور ظلم وستم کو برداشت کیا لیکن جادۂ استقامت سے سرِ مو انحراف نہ کیا اور مارٹن لوتھر اور نیلسن منڈیلا کی جھکی ہوئی قوم تن کر کھڑی ہو گئی۔

اپنی قوم کو عزت اور وقار سے سرفراز کرنے والوں میں برناڈ اڈاڈی، سینگھور، ڈیوڈ ڈیوپ، بنجمن مولائس، بیرا گوڈی اوپ، ڈینس بروٹس، سیمویئل مکہائی، اے۔ این۔ سی۔ کمالو، کوفی اوونر، کوفی اینی ڈوہو، بیری فین برگ وغیرہ سمیت متعدد شعرا شامل ہیں۔ افریقی شعرا نے عملی سیاست میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بنجمن مولائس بھی جنوبی افریقہ کے لوگوں کی آزادی کے لیے تختۂ دار پر جھول گیا۔ ڈینس بروٹس، ڈیوڈ ایونز، الوامیکے، بیری فین برگ سمیت متعدد شعرا نے جلاوطنی اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ سینیگال کے صدر سینگھور، انگولا کے صدر انٹونینو آگسٹینو نیٹو، اے۔ این۔ سی۔ کمالو اور فمانڈو کوسٹا اینڈرڈ بھی شاعری کے ساتھ ساتھ سیاسی و انقلابی سرگرمیوں میں سرگرم رہے۔

یہ بات باعث فخر اور قابل ذکر ہے کہ ہمارے اردو شعرا نے افریقہ کی تحریک آزادی کے ضمن میں معاصر افریقی شاعری کو تراجم کے ذریعے اردو میں بھی متعارف کرایا ہے اور براہِ راست بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ جنوبی افریقہ کے متعدد شاعروں کی مزاحمتی شاعری اردو میں منتقل ہوئی ہے۔ مترجمین میں احمد فراز، امجد اسلام امجد رضی عابدی، منو بھائی،

ایس ایم اختر، اصغر ندیم سید، شمیم حنفی، افضل احسن رندھاوا، کشور ناہید، خالد سہیل، جاوید دانش، شہزاد احمد، انیس ناگی، مشرف عالم ذوقی اور احمد سہیل کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں۔ افریقی اقوام اور ان کے مسائل پر براہ راست اظہار خیال کرنے والوں میں اقبال، فیض، راشد، مجید امجد، ندیم، آفتاب اقبال شمیم، ثاقب رزمی، جاوید شاہین، کشور ناہید، ظہیر کاشمیری، شکیب جلالی، شہزاد احمد، ابن انشا، جیلانی کامران اور نعیم صدیقی کے نام خاص، طور پر قابل ذکر ہیں۔

اردو شاعری میں مزاحمتی رنگ کی ایک قابل ذکر روایت موجود ہے۔ جعفر زٹلی، نظیر اکبر آبادی، سودا، قائم وغیرہ کی نظموں، ہجویات اور شہر آشوبوں میں عصری شعور کی بھرپور غمازی ہوتی ہے۔ ان کے ہاں ظلم و جبر، استحصال، آمریت اور طوائف الملوکی کے خلاف ایک موثر احتجاج موجود ہے۔ تحریک علی گڑھ کے سیاسی وسماجی افکار کو عوام الناس تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اکبر الہ آبادی، تحریک علی گڑھ میں یہی رنگ ایک منظم صورت میں اصلاحی اور مقصدی ادب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سرسید، حالی، شبلی، آزاد اور نذیر احمد وغیرہ نے مولانا محمد علی جوہر اور چکبست وغیرہ نے لوگوں کے دلوں میں احساس غلامی کو بیدار کیا اور ایک نیا ولولہ اور تڑپ پیدا کر کے حصول آزادی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ ظفر علی خاں کی شاعری تحریک آزادی کی ایک منظوم داستان کا درجہ رکھتی ہے۔ تحریک آزادی کا کوئی اہم موڑ یا واقعہ ظفر علی خاں کی نظروں سے اوجھل نہیں رہا۔

علامہ محمد اقبالؒ نے یوں تو پورے عالم اسلام کی فکری راہبری کا فریضہ سرانجام دیا لیکن برصغیر کے مسلمانوں کی گردنیں ہمیشہ اقبال کے احسان کے سامنے جھکی رہیں گی۔ اقبال نے ایک دانا حکیم کی مانند مسلمانوں کے امراض کی نشان دہی کی اور اس کا مداوا بھی کیا۔ اسی مسیحا کی مسیحائی نے مسلمانوں کو غلامی جیسے سرطان سے شفا بخشی۔ غلامی کی ذلت، آزادی کی قدر و قیمت، اتحاد کی اہمیت، فرقہ واریت کی زیاں کاری، جہد و عمل کی برکتیں، خودی کی نگہبانی، رجائیت کی برکتیں، اور سامراج کی سازشیں، کون سا رنگ ہے جو اقبال کے ہاں بہار نہیں دکھا رہا۔ اقبال کی مئے لالہ فام ہی نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کا جوش و جذبہ پیدا کیا اور خواب حقیقت کا روپ اختیار کر گیا۔ حسرت موہانی آزادی کامل کے خواہاں تھے اور اپنی حق گوئی میں بے مثل انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، عقوبتیں جھیلیں اور مالی مشکلات کا شکار بھی ہوئے لیکن سامراجی حکومت کے خلاف تمام تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جوش اسم با مسمیٰ تھے۔ ان کی سامراج دشمن نظمیں بحق سرکار ضبط ہوتی رہیں لیکن وہ برطانوی استبداد کے خلاف مسلسل برسرِ پیکار رہے۔ جوش کی شاعری میں غلامی سے نفرت، آزادی کی قدر و قیمت، اتحاد ملی، اور سامراج دشمنی کا بلند آہنگ پیغام فنی خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

تحریک آزادی کے دوران میں ترقی پسند تحریک نے بھی بہت موثر کردار ادا کیا۔ ہندوستان سے فرنگی استبداد کے خاتمے اور حصول آزادی کی تگ و دو میں یہ شعرا ادبی اور عملی دونوں محاذوں پر سرگرم رہے اور عوامی جذبوں کو توانائی اور تابندگی عطا کی۔ اسرار الحق مجاز کی انقلاب اور تغزل سے بھرپور لے، فیض احمد فیض کے احساس جمال اور فکرِ انقلاب کی آمیزش، علی سردار جعفری کی گہری مقصدیت اور رنگِ خطابت، جاں نثار اختر کا انقلابی اور باغی آہنگ، مخدوم محی الدین کی للکار اور گھن گرج، احمد ندیم قاسمی کی انسان دوست آزادی، ظہیر کی گہری ترقی پسندانہ سوچ اور مجروح سلطان پوری کی انقلابی غزل نے اجتماعی احساسِ وشعور کو مقصدیت سے روشن اور درخشاں کیا اور جذبۂ آزادی کو ایک تحریک کی شکل دی۔

اسی طرح اختر شیرانی، احسان دانش، اختر الایمان، شورش کاشمیری، جگن ناتھ آزاد اور حفیظ جالندھری وغیرہ نے

جدوجہدآزادی میں عوام کولازوال جذبوں سے ہمکنار کیا۔ان کے علاوہ بھی بیسیوں شعرا کے ولولہ انگیز ترانوں سے برصغیر کی فضائیں گونجتی رہیں۔حریت پسند شاعری نے عوام میں وہ ولولہ اور جوش پیدا کیا کہ لوگ مستانہ وار تمام کٹھن مراحل عبور کرتے ہوئے آزادی کی منزل کی جانب گامزن رہے اور بالآخر آزادی کی دولت سے ہمکنار ہو گئے۔شان الحق حقی نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہماری شاعری کے سرایک عرصے تک یہ الزام رہا ہے کہ اس میں صرف گل وبلبل کی داستانیں پائی جاتی ہیں۔لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اس نے قومی زندگی کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر نہ صرف زندگی کا ساتھ دیا بلکہ اسے آگے بڑھایا اور اپنی رجز خوانی سے رفتارِ کارواں کو تیز کیا۔[۱۳] تعیش اور تغزل اگر زندگی سے فرار کا نام ہے تو ہماری اردو شاعری نے اس فرار سے اتنا ہی فرار اور اس گریز سے اسی قدر گریز اختیار کیا ہے کہ اس کی مثال شاید ہی دنیا کی کسی اور زبان میں مل سکے۔یہاں گریز ہے تو غزل سے رجز کی جانب اور فرار ہے تو افسانے سے حقیقت کی طرف۔آپ آسانی سے کسی ایسی زبان کا نام نہیں لے سکتے جس میں اتنا بڑا ذخیرہ ایسی شاعری کا موجود ہو جو قومی جوش وخروش،حریت پسندی کے جذبات اور سیاسی شعور سے اس حد تک مملو ہو۔ ہمارے ادب پر سیاسی حالات کا اتنا بھرپور اثر اور واضح پرتو موجود ہے کہ ادب کی تاریخ سیاسی تاریخ کا ایک خلاصہ نظر آتی ہے۔ [۱۴] یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔کہ حریت پسندی اور جوش وخروش سے مملو اردو شاعری صرف ہنگامی اور وقتی ادب کی زد میں نہیں آتی بلکہ بقول ڈاکٹر ارتضیٰ کریم اردو ادب میں احتجاج اور مزاحمت کی ایسی مدھم لے بھی موجود ہے جہاں ادب سے احتجاج کو اور احتجاج سے ادب کو الگ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔[۱۵] بلاشبہ ایسی شاعری آفاقی قدروں کی حامل ہے اور یہ آواز ہر عہد کی آواز ہے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ شعرا اور ادبا نے آزادی اور جمہوریت کی جدوجہد میں ہمیشہ مظلوم اور محکوم اقوام کا ساتھ دیا ہے اور اس ضمن میں اردو شاعری نے بھی مثالی کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے شعرا نے صرف تحریک علی گڑھ اور تحریک آزادی ہی میں قلمی جہاد نہیں کیا بلکہ فلسطین، کشمیر، افریقہ، چلی، عراق، السلواڈور، نکاراگوا، بوسنیا، ویت نام، الجزائر اور افغانستان وغیرہ کے حریت پسندوں کے ساتھ بھی جذبۂ خیر سگالی کا اظہار کیا ہے۔تراجم کے توسط سے اردو قارئین جہاں ایک طرف دنیا بھر کے حریت پسند ادیبوں مثلاً لورکا، چی گویرا، ناظم حکمت، بنجمن مولائس، محمود درویش اور نیرودا وغیرہ سے متعارف ہوئے ہیں وہیں جدید تراکیب، علامتی نظام، اسلوب اور لفاظی کے باعث اردو شاعری کا کینوس بھی وسیع ہوا ہے۔یوں اردو شاعری اور آزادی کی تحریکوں کے مابین استوار گہرے رشتے نے ادب کی فکری وفنی زرخیزی کا راستہ ہموار کیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ورڈز ورتھ۔ "If thou Indeed" مشمولہ، دو آتشہ۔ مرتب؛ غلام محی الدین خلوت۔ لاہور: اردو اکیڈمی پاکستان،۱۹۹۹ء۔ص۸۰

۲۔ گارشیالورکا۔بحوالۂ رضی عابدی۔مغربی ڈراما اور جدید تحریکیں۔لاہور: ادارہ تالیف وترجمہ، جامعہ پنجاب، ۱۹۸۷ء۔ ص۹۷

۳۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔''الجزائراور ہمارے دانش ور''۔مشمولہ، ماہنامہ ہم قلم۔(الجزاءکوسلام)۔ص۲۵

۴۔ شہزادمنظر۔ردِعمل۔کراچی: منظر پبلی کیشنز،۱۹۸۵ء۔ص۱۲۰

۵۔ ڈاکٹر قمر رئیس۔''ادب میں اختلاف،انحراف اوراحتجاج کی معنویت''۔مشمولہ،اردوادب۔احتجاج اور مزاحمت کے رویے۔ ص۲۵

۶۔ نامق کمال۔بحوالہ،ضیاالحسن فاروقی،جدید ترکی ادب کی ارکانِ ثلاثہ۔ص۵۶

۷۔ تو قیراحمد خاں۔''احتجاج کی منفرد آواز۔اقبال۔مشمولہ،اردوادب۔احتجاج اور مزاحمت کے رویے۔ص۱۰۹

۸۔ ژاں پال سارتر۔بحوالہ،ابراراحمد۔''مزاحمتی ادب''۔مشمولہ،اردوادب۔احتجاج اور مزاحمت کے رویے۔ص۶۷

۹۔ ڈاکٹر قمر رئیس۔''ادب میں اختلاف،انحراف اوراحتجاج کی معنویت''۔مشمولہ،اردوادب۔احتجاجاور مزاحمت کے رویے۔ص۱۲۶

۱۰۔ ڈاکٹر مبارک علی۔تاریخ کے بدلتے نظریات۔لاہور: روہتاس بکس،س ن۔ص۲۰۰۔۲۰۱

۱۱۔ محمد کاظم۔عربی ادب میں مطالعے۔ص۱۹۸

۱۲۔ رضی عابدی۔تیسری دنیا کا ادب۔ص۵۹

۱۳۔ شان الحق حقی۔''تعارف''۔مشمولہ،جنگ ترنگ۔مرتبین؛ زاہر نگاہ،ثریا مقصود۔کراچی: ادارہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۶۷ء

۱۴۔ شان الحق حقی۔''نکتہ راز''۔بحوالہ خواجہ منظور حسین۔غزل کا خارجی بہروپ،لاہور: مکتبہ کارواں،۱۹۸۱ء۔ص۸

۱۵۔ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم۔مرتب؛اردوادب۔احتجاج اور مزاحمت کے رویے۔ص۱۱